

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقش آغاز

پچھلے ماہ راقم کو وطن عزیز کے مشرقی حصہ مشرقی پاکستان
جانے اور آٹھ دس دن تک وہاں کے مسلمان بھائیوں

سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ دُعا کہ کے چند اہل خیر اور دینی ورد رکھنے والے حضرات (جن میں حاجی بشیر الدین
بوگرہ اور ان کی فرم جمیل الدین ایمینڈ پیش پیش تھے) کی خواہش تھی کہ ملک کے مغربی حصہ کے علماء اور اکابر
یہاں تشریف لاکر مسلمانوں کو اپنے خیالات سے محفوظ کریں، اس خواہش میں یہ جذبہ بھی شامل تھا، کہ
دونوں حصوں کے اہل علم کا باہمی تعاون ہو اور یہاں کے دینی عواطف، ملی احساسات اور جذبات کا
مشاہدہ بھی ان علماء کو ہو سکے۔ دینی جذبات سے معمور ان حضرات نے تعلیم القرآن سوسائٹی کے نام سے ایک
خالص قومی تبلیغی ادارہ قائم کیا ہے۔ اور اس انجمن کی طرف سے انہوں نے قرآنی تعلیمات پر اجتماعات
کا پروگرام بنایا اور مشرقی و مغربی پاکستان کے چند علماء کو دعوت دی چنانچہ اس دعوت پر مغربی پاکستان سے
حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ، مولانا عبید اللہ انجمن خدام الدین لاہور
مولانا حامد میاں صاحب ہستم جامعہ مدنیہ لاہور، مولانا مجاہد الحسنی لائل پور، مولانا عبدالقادر آزاد بہاولپور —
۲۲ فروری کو دُعا کہ تشریف لے گئے مدعوین میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت
مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کراچی بوجہ سفر رنج یہ دعوت قبول نہ کر سکے۔ وہاں کے بعض مخلص احباب نے
ایک طالب العلم کی حوصلہ افزائی کے طور پر ناپیز کو بھی دعوت دی اور بطور ادنیٰ خادم کے مجھے اس سفر میں
دینی اجتماعات کی شمولیت، حضرات اکابر کی رفاقت، اور وہاں کے اہل علم، دینی اداروں اور پہلی بار
وطن عزیز کے ایک مردم خیز، زرخیز، دینی احساسات اور سیاسی بیداری سے مالا مال خطہ دیکھنے کا
اتفاق ہوا۔ اس مختصر دورہ میں ہر جگہ ان حضرات نے اپنے گہرے نقوش اور اثرات پھوڑے حضرت
علامہ افغانی کی علمی شخصیت اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور اتحاد بین المسلمین پر انکی پرمغز تقاریر، حضرت مولانا
انور کی بے مثال تواضع، گریبانہ اخلاق، مولانا حامد میاں صاحب کی پرمغز شخصیت، مولانا مجاہد الحسنی
کا سیاسی شعور اور آزاد صاحب کی شعلہ بیانی سے ہر جگہ لوگوں نے گہرا اثر لیا — تعلیم القرآن سوسائٹی
کے فعال اور سرگرم کارکن مولانا محی الدین خان صاحب کی رفاقت اور مدبرانہ رہنمائی پورے سفر میں حاصل
رہی اس سفر میں وہاں کی دینی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے جو گوشے کچھ نہ کچھ سامنے آئے، اُن
مشاہدات اور تاثرات کی یہاں گنجائش نہیں۔ سفر کا مختصر حال یہ ہے کہ ۲۳ اور ۲۴ فروری کو سوسائٹی کے

زیر اہتمام ڈھاکہ کی وسیع اور پیشکوه جامع مسجد بیت الکریم میں عام اجتماعات ہوئے، علماء کرام نے اردو اور بنگلہ میں قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں اور مسلمانوں کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالی ان اجتماعات میں ڈھاکہ کے دیگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ۲۵ فروری کی ظہر کو ڈھاکہ کے سب سے بڑے آڈیٹوریم انجینئرنگ انسٹی ٹیوٹ ہال میں اجتماع ہوا جس میں ڈھاکہ کے معززین شرفاء اور فہمیدہ حضرات مدعو تھے۔ اس مجلس میں قرآن کریم پر کچھ مقابے پڑھے گئے اور چند تقریریں ہوئیں، ان ہی ایام میں ڈھاکہ کے کئی علمی اور دینی اداروں میں بھی ان کے منتظمین کی خواہش پر جانا ہوا، مدرسہ اشرف العلوم، جامعہ قرآنیہ لال باغ، مدرسہ امداد العلوم، ادارہ المعارف جو ڈھاکہ جیسے مرکزی شہر کے علمی اور دینی مراکز ہیں اور ہر لحاظ سے مرکز کے شایان شان اور اس خطہ کی دینی روایات کے آئینہ دار ہیں۔ ان اداروں میں استقبالیہ تقریبات ہوئیں، اساتذہ و طلباء اور منتظمین نے نہایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ کیا، اور تقریباً ہر ادارہ میں حضرت شیخ الحدیث اور حضرت افغانی صاحب نے خطاب فرمایا۔ مشرقی پاکستان کے دیگر علاقوں سے بعض مدارس عربیہ، اور دینی ملی اداروں اور اہل علم حضرات نے تعلیم القرآن سوسائٹی کی دسالت سے ان حضرات کی زیارت اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ چنانچہ ڈھاکہ کے سہ روزہ پروگرام کے بعد ۲۶ تاریخ کو بذریعہ ٹرین مین سنگھ جانا ہوا۔ مولانا فیض الرحمان صاحب جو پورے صانع میں اثر و رسوخ اور دینی اعتماد رکھنے والے بزرگ ہیں، نے جلسے کا انتظام فرمایا تھا۔ راستہ میں اور پھر مین سنگھ میں مسلمانوں کی محبت اور علماء سے گرویدگی قابل دید تھی۔ ظہر کے بعد شہر کی جامع مسجد میں جلسہ عام تھا، سامعین کا ایک سیلاب تھا جو دور دراز سے آئے آیا تھا۔ اندازاً تیس چالیس ہزار کا مجمع تھا جو عشاء تک پرے اطمینان سے جمارا۔ یہاں تھوڑی دیر کیلئے مولانا نور الدین صاحب کی دعوت پر مہمانوں کو دارالعلوم مین سنگھ بھی جانا ہوا۔ اور مدرسہ کے نظم و نسق سے سب متاثر ہوئے، رات کو مین سنگھ سے ڈھاکہ واپس ہوئے۔ ۲۷ کی صبح کو بذریعہ علیارہ ڈھاکہ سے سلہٹ جانا ہوا۔ سلہٹ بنگال میں اپنے وقت کے سرتاج ادویاء حضرت شاہ جلال مجر دینی کا مدفن اور قریبی زمانہ میں تقریباً نصف صدی تک قطب وقت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی خصوصی توجہات اور عنایات کا مرکز رہا ہے۔ حضرت کی مسیحانی کے اثرات چپہ چپہ سے نمایاں ہیں۔ اہل علم اور اکابر دیوبند سے گرویدگی اور مہمانوں سے جو محبت یہاں دیکھتے ہیں آتی وہ بے نظیر تھی۔ ہوائی اڈا پر استقبال کرنے والے بے شمار لوگوں میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے کئی خلفاء اجل بھی جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان کے امیر حضرت مولانا شیخ عبدالکریم کی سرکردگی میں موجود تھے۔ یہاں کی جمعیۃ بڑی فعال

منظم اور سرگرم ہے۔ ہوائی اڈہ سے شہر تک پچھ میل کا طویل راستہ ان اکابر کے متعلق ترجیحی نعروں، "اسلام" اور "جمیۃ العلماء اسلام زندہ باد" اور اسلامی آئین کے مطالبوں سے گونج اٹھا۔

جس علم دوست بزرگ کے مکان پر قیام تھا۔ ایم سلیمان خان صاحب، حضرت شیخ مدنیؒ کے دیرینہ خدام اور عشاق میں سے تھے اور ان کا وجود اصلاح نفس و تزکیہ اخلاق میں حضرت مدنیؒ کا یدِ طولی رکھنے کا بین ثبوت تھا۔ دنیاوی وجاہت اور ثروت بیشمار حشم و خدام کے ہوتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں سے علماء کے لئے کھانا تیار کر رہے تھے اور سارا خاندان بچھا جارا ہا تھا جس کو دیکھ کر من تواضع للہ رنحہ اللہ۔ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، ظہر کی نماز حضرت شاہ جلال مینیؒ کی مسجد میں پڑھی گئی اور تھوڑی دیر کیلئے درگاہ سے ملحق مدرسہ کی دعوت پر مدرسہ میں بھی جانا ہوا۔ تین بجے جمیۃ العلماء کی طرف سے حضرت مولانا شیخ عبدالکریم صاحب امیر جمیۃ کی صدارت میں سادہ و عاہل میں جلسہ عام شروع ہوا۔ اجتماع کا یہ عالم تھا کہ آغاز جلسہ سے پہلے ہی ہال کی دونوں منزلیں کھپا کھچ بھر گئی تھیں، اور باہر احاطہ میں لوگوں کے ہجوم میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بے چینی اور اضطراب میں بھی اضافہ ہوتا جارا ہا تھا۔ چنانچہ منتظمین کو جلسہ ہال سے باہر میدان میں منتقل کرنا پڑا۔ جمیۃ العلماء اور دینی مدارس کی طرف سے علماء نے سپاسنامے پیش کئے۔ جلسہ میں اکثریت اہل علم، مشائخ اور دیندار لوگوں کی تھی چنانچہ یہاں علماء کرام کے باہمی ضبط و تنظیم کی ضرورت اور اہمیت پر بھی تقریریں ہوئیں۔ جلسہ شام کی نماز تک جاری رہا۔ شام کی نماز ہم نے نئی سڑک کی اسی تاریخی مسجد میں ادا کی جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ ۳۰۔۳۵ سال تک تعطیلاتِ رمضان میں قیام فرماتے اور "ارضِ بنگالہ" کے تشنگانِ رشد و ہدایت کو معارفِ ربانی اور اپنے انفاسِ قدسیہ سے سیرابی بخشتے۔ حضرت شیخ کی نسبت سے اس مسجد اور ملحقہ حجرہ مبارکہ اس کی سادگی اور ماحول نے ایک عجیب سماں باندھا اور حضرت کے لاثانی اثراتِ رامِ خدا میں قربانی، جفاکشی اور اصلاحِ خلق کے لئے بے مثال جدوجہد اور ریاضت کے انمٹ نقوشِ دل و دماغ پر ابھرے اور بقدرِ عقیدت اور نسبت ہر ایک کے جذبات میں ایک عجیب تلاطم برپا کر گئے، یہاں کے درو دیار سے عشق اور فنایت کی بُو محسوس ہوئی۔ شاید شاعر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو۔

بہر زمین کہ نسیمِ زلفِ او زوہ است

ہنوز از سرِ آں بُوئے عشقِ می آید

یہاں کے سبزہ زاروں اور گھنے جنگلات میں بلبل چہک رہے تھے، جیسے بول رہے ہوں کہ عہدِ وہ وادی ہے اے ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

سلہٹ کے مختصر قیام میں خلوص و محبت کی بے حساب یادیں اپنے ساتھ لیکر نگاہِ حسرت (جو ابھی سیر کہاں ہوئی تھی) ڈالتے ہوئے رات کو بذریعہ ٹرین چٹاگانگ روانہ ہوئے۔ محبتیں، مخلصین اور بزرگوں نے جس شوق اور دلولہ سے پذیرائی کی تھی ویسے ہی جذباتِ محبت سے الوداع کہا۔

۲۸ کی صبح کو ہم چٹاگانگ پہنچے۔ مشرقی پاکستان کے مقتدر اور صاحبِ خیر بزرگ حاجی بشیر الدین بگڑہ کی فرم جمیل الدین بیلیڈ کے ہاں قدرے قیام کیا۔ چائنگام کے مصاناتی علاقوں میں یہاں کے دو عظیم الشان مدارس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری اور مدرسہ ضمیر پٹیہ دیکھنے گئے، ہر دو مدرسے یہاں کے مسلمانوں کے دینی علوم سے شغف کے زندہ نمونے ہیں۔ اول الذکر میں تو بارہ سو تک طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ دیگر مدارس میں بھی طلبہ کی تعداد ۵، ۶ سو کے لگ بھگ رہتی ہے۔ برمی سرحدات یہاں سے قریب ہونے کی وجہ سے کئی برمی طلبہ بھی یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ ڈھاکہ، مین سنگھ، سلہٹ کی طرح یہاں کے مدارس کے کئی اساتذہ اور اکثر علماء حضرت افغانی اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ان کے زمانہ تدریس دارالعلوم دیوبند میں تلمذ حاصل کر چکے تھے۔ ۲۰، ۲۵ سال بعد اپنے اساتذہ سے ملاقات ان حضرات کو عجیب نعمت محسوس ہوئی۔ ہر دو مدارس میں جو چٹاگانگ کی مختلف سمتوں پر واقع ہیں، مختصر استقبالیہ جلسے ہوئے، درس بخاری کے علاوہ تقریریں ہوئیں۔ نماز مغرب کے بعد چٹاگانگ شہر کے تجارتی علاقہ کے وسط میں سلم انسٹی ٹیوٹ ہال کے وسیع لان میں جلسہ عام کا انتظام تھا۔ جناب رضا الکبریم صاحب پرنسپل سٹی کالج چائنگام کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ رات گئے تک اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی دینی زندگی اور پیش آمدہ مسائل پر تقریریں ہوئیں دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی اردو تقاریر کا خلاصہ منجملہ زبان میں سنایا گیا خود صدر جلسہ نے یہ ترجمانی بہترین طریقہ سے کی۔ ۲۹ فردری کی ظہر کو سب حضرات ڈھاکہ واپس پہنچے واپسی میں ڈھاکہ کے مشہور خواجہ خاندان کی خواہش پر ان کے ہاں آسن منزل نواب باڈی میں قیام رہا۔ اہل علم بالخصوص اکابر دیوبند کے ساتھ اس خاندان کا والہانہ تعلق ہے۔ برصغیر کی مشہور شخصیتوں میں سے حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ مولانا آزادؒ اور دیگر اکابر کا شرفِ میزبانی اس مکان کو حاصل ہے۔ نواب خواجہ انیس اللہ صاحب اور ان کے تمام خویش واقارب انکساری، خلوص اور محبت کے پکیر ہیں۔ خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ دیگر حضرات یکم مارچ کو ڈھاکہ سے لاہور واپس ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ خواجہ برادری کے اصرار پر دو دن مزید ان کے ہاں ٹھہرے۔ مشرقی پاکستان اولیاء اللہ اور بزرگوں کی سرزمین ہے۔ ۲ مارچ کو ڈھاکہ کی مصاناتی آبادی میرپور میں حضرت شاہ علی بغدادیؒ کے مزار کی زیارت کی نیز ڈھاکہ سے تیس میل دور قدیم دارالخلافہ

"سنار گاؤں" بھی گئے۔ یہاں کے قدیم اور بوسیدہ کھنڈرات میں کئی اولیاء اللہ محو استراحت ہیں۔ آبادی سے کچھ دور سلطان غیاث الدین بلبن کا مزار ہے۔ سنار گاؤں میں حضرت شاہ شمس الدین ابوتوامہؒ حضرت مخدوم شرف الدین میری کی اہلیہ محترمہؒ حضرت ابراہیم دانشمندؒ حضرت یوسف دانشمندؒ حضرت شاہ کامل شاہؒ اور دیگر بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہر مارچ کو بوقت ظہر ڈھاکہ سے روانہ ہو کر عصر سے قبل لاہور پہنچے، اس پرے سفر میں جس چیز نے سب کو بے حد متاثر کیا وہ یہاں کے عام مسلمانوں کا دینی جذبہ، اسلام سے گرویدگی اور تعلق تھا۔ مساجد، مدارس اور علماء کی اتنی کثرت بشکل دوسرے علاقوں میں ہوگی، بعض حضرات نے بتلایا کہ صرف مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء کی تعداد ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اگر یہ طاقت منظم اور مربوط ہو کر زیادہ جوش و خروش سے دینی میدانوں میں اترے تو ساری دینی مشکلات ختم ہو سکتی ہیں۔ لوگوں کے دینی ذوق و شوق اور ولولہ کا نتیجہ تھا کہ اردو نہ سمجھنے والے بھی گھنٹوں سکون اور عقیدت سے مجلسوں میں بیٹھ رہتے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں باہمی تعاون اتحاد اور مکمل یگانگت کی ضرورت پر متل تقریریں بھی ان لوگوں نے بڑی دلجمعی سے کیں، جبکہ یہاں یہ چیز مادی یا سیاسی مقاصد پر استوار تقریبات میں دیکھنے میں نہیں آتی جس سے یہ حقیقت اور بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس ملک کا اتحاد، استحکام اور باہمی ربط و تعلق صرف اور صرف اسلام، اسلامی اقدار اور دینی روابط ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ چیز تب حاصل ہوگی کہ مرکزی قوت خود اس لحاظ سے اپنی ذمہ داری محسوس کرے۔ جو تعلق عقیدہ پر مبنی ہو اس کی جڑیں دلوں کے اندر جاگزین ہوتی ہیں۔ دیگر امور، ذرائع اور وسائل سے استحکام کی کوششیں دونوں ملکوں کے مواصلاتی نظام کی طرح نقش بر ہوا یا نقش بر آب ثابت ہو سکتی ہیں۔ فانی رشتے فانی اور تغیر پذیر ہیں۔ اسلام ہی ایک ایسی قوت ہے جس نے برصغیر کے پرانے مسلمانوں کو ناقابل شکست طاقت بنایا تھا اور آج بھی یہی طاقت مشرق و مغرب کو ایک لڑی میں پرو کر اپنے نام لیواؤں کو "جسد واحد" بنا سکتی ہے۔ حیرت ہے کہ بعض لوگ مغربی تہذیب کے شجرہ خبیثہ کے سایہ میں بیٹھ کر اپنی بقاء ترقی اور استحکام کیلئے کیسے کیسے طریقے سوچ رہے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے باہمی اختلاط اور قص دسروں کی تقریبات کے ذریعہ برگز جغرافیائی اور قومی امتیازات مٹائے نہیں جاسکے۔ تاریخ کے ہر دور میں یہ عہد بندیاں صرف اسلام ہی سے مٹ سکی ہیں۔

دوسری چیز جو یہاں کے دینی تہذیب کی آئینہ دار ہے وہ یہ تھی کہ ڈھاکہ، چٹاگانگ جیسے اہم شہروں کی شاہراہوں اور گلیوں میں ہمیں عربی اور بے پردگی اور لباس و عادات و اطوار میں یورپی

فیشن کی وہ وبا نظر نہ آئی جو بد قسمتی سے ہمارے ہاں کے تمام اہم شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے دینی اثرات کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مادی اور صنعتی ترقیات حاصل کرتے ہوئے اس نام نہاد تہذیب اور نئی روشنی سے یہ علاقہ محفوظ رہے جس نے مسلمانوں کو اپنے اقدار سے بیگانہ کر کے ہزاروں معاشی اور سماجی مسائل کھڑے کر دیے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ امید پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ مغربی پاکستان کی طرح وہاں بھی آئے دن ثقافت، پچر اور ثقافتی طائفوں وغیرہ کے مظاہروں کے ذریعہ دینی گرفت کو کمزور کیا جا رہا ہے، اس کی ایک مثال چٹاگانگ میں ہمارے سامنے آئی کہ قرآن کریم کے نام سے منعقد ہونے والے اجتماع کو مسلم ہاں کے اندر انعقاد کی اجازت نہ مل سکی اور منتظمین کو باہر لان میں انتظام کرنا پڑا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چونکہ کل پرسوں اسی ہاں میں چینی طائفہ کے رقص و سرود کا پروگرام ہے اس لئے اس کے اہتمام میں راتوں رات ہاں کی آرائش ضروری ہے، جبکہ شہر کے شرفاء نے ان خرافات سے اپنی بے زاری بھی ظاہر کر دی تھی۔

ایک اور چیز جو پوری سنجیدگی سے غور و فکر کی مستحق ہے، وہ اس علاقہ میں کیونزیم کے بڑھتے ہوئے اثرات ہیں، کیونزیم کے حق میں بعض عناصر علانیہ جگہ جگہ مظاہرے کرنے سے بھی نہیں بچ سکتے۔ اس قسم کا ایک جلوس دیکھنے کا اتفاق چٹاگانگ میں ہوا جو کیونزیم کے حق میں مظاہر کر رہا تھا۔ کیونزیم کا لٹریچر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جو شہروں اور سٹیشنوں کے بک سٹالوں پر بافراط نظر آتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنا آئیڈیل ماڈل سے تنگ اور کارل مارکس کو بنانا جا رہا ہے جس کی بنیادی وجہ دینی تعلیم سے غفلت اور پھر اب تک اسلام کے عادلانہ معاشی نظام سے گریز کرنا ہے۔ مختلف طبقات کی معاشی مشکلات اور ناقابل برداشت طبقاتی تفاوت کا علاج اسلام ہی میں ہے، مگر جب اذہان اس اٹل سچائی کے بارہ میں اب تک تذبذب اور تشکیک کا شکار ہوں تو اس نسخہ شفاء کو آزمائیں تو کیسے؟ ملک کی صحافت پر جو بنگلہ اور انگریزی اخبارات چھائے ہوئے ہیں۔ ان کی اکثریت اسلام اور اس کے اساسی نظریات کو اہمیت نہیں دیتی ایک اہم انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کے متعلق سنا کہ وہ اسلام کو صرف دو قومی نظریہ کی کامیابی اور ملک کی تقسیم تک ضروری سمجھتا رہا۔ اب جب ہم ایک قوم ہیں تو اسلام اور دین کی کیا ضرورت ہے؟ — ایک دوسرے اخبار کے مدیر اسلامی مضامین کی اشاعت سے اس لئے کنارہ کشی کرتے رہے کہ اس طرح نہ اشتہار ملیں گے، اور نہ اونچے طبقہ میں پرچہ مقبول رہ سکے گا، کیونزیم کے توڑ کیلئے ضرورت ہے کہ وہاں کی علاقائی زبانوں میں اور صحافت کے میدان میں اسلامی جذبات کو برقرار رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے اس سلسلہ میں

علماء پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر ہمیں ملک، قوم اور اپنی اقدار و روایات کی حفاظت چاہیے تو ہمیں اوروں کے غیر منصفاانہ معاشی نظاموں سے ہٹ کر اسلام کے حصار میں ملک کے تمام طبقوں کو فارغ البالی، اور آرام و راحت کی زندگی بھیا کرنی ہوگی۔ کیونکہ ہم، جبر و استبداد، لوٹ کھسوٹ اور فتنہ کشی سے پھیلتا ہے، جس کا علاج کیونکہ ہم میں نہیں جو بجائے خود ایک ہلک مرض اور ناسور ہے، بلکہ اس کا مداوی صرف محمد عربی قداہ ابی دؤمی کے دامن عاطفت میں مل سکتا ہے۔ جس ملک کو خدا نے بے حساب قدرتی وسائل اور مادی نعمتوں سے نوازا ہے ناممکن ہے کہ صحیح منصوبہ بندی کے ہوتے ہوئے کسی باشندے کو فارغ البالی نصیب نہ ہو سکے۔ کیونکہ ہم کے علاوہ دیگر علمی اور فکری فتنے بھی وہاں ابھر رہے ہیں۔ قادیانیت پوری تیزی سے اپنی جڑیں پھیلا رہی ہے۔ وہاں کے بعض حضرات کے کہنے کے مطابق دیناج پور سے ۴۰ میل دور بھارتی سرحد کے قریب ان لوگوں نے کسی طریقے سے ۵ گاؤں حاصل کر کے وہاں احمد نگر کے نام سے ایک مرکز لبانا شروع کر دیا ہے۔ پتہ نہیں ہماری نگاہ کیوں اس طرف نہیں جاتی کہ یہ چیز سیاسی نقطہ نظر سے کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیا ملک کے دونوں حصوں میں ان لوگوں کا سرحدی علاقوں ہی کو خاص نشانہ بنانا کسی خاص سکیم کی غمازی تو نہیں کر رہا ہے؟ عیشانیہ مشنریوں کے نام پر اپنے کام میں مصروف ہے۔ بھارت بھی یقیناً درپردہ شراقتوں سے ادھار نہیں کھاتا۔ اس ملک کے باشندوں کے دینی احساسات، حب الوطنی اور پھر جغرافیائی نزاکت کے ہوتے ہوئے ان بے اعتدالیوں پر باشعور لوگ خون کے آنسو روتے ہیں۔ یہاں تو ہر اس چیز پر کڑی نگاہ رکھنی تھی جس سے اس ملک کی رائے عامہ پر اسلام کا تسلط کمزور اور مجروح اور لادینی عناصر کو ابھرنے کا موقع مل سکتا ہو۔ مگر۔۔۔ ہائے افسوس! کہ جب احساس زیاں ہی نہ ہے تو پھر نتائج کا روال کا خدا ہی محافظ ہے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ ملک کے یہ دونوں حصے اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو کر پھلیں پھولیں اور پوری اتحاد و یگانگت سے اس ملک کی دینی اور مادی تعمیر و استحکام میں دونوں روال دواں رہیں کہ ہر ایک کی ترقی اور ترقی و تازگی پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے۔

واللہ یعلم الحق وهو میدی السبیل

محمد علی
محمد قمر